ہندو تہذیب اور مسلمان

از:- ڈاکٹر محمد عمر صاحب
استاد تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

(۱)

ہندو مسلم تعلقات اصل موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسلم دور حکومت میں ہندو مسلم تعلقات کا تفصیلی جائزہ لیں تاکہ اصل موضوع پر بحث کرنا آسان ہو جائے۔

مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہندوستان میں کئی مذاہب۔ مثلاً جین دھرم، بدھ دھرم اور ویدک دھرم مروج تھے اور ان مذاہب کے علمبرداروں کی تعلیمات میں سخت اختلافات پائے جاتے تھے۔ مگر پھر بھی چونکہ وہ پیدائشی ہندوستانی تھے۔ اس لئے ان میں ظاہری تصادم تک نوبت نہ پہنچی۔ ہر شخص کو آزادی تھی کہ وہ جن مذہبی عقائد کو چاہے اپنا لے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں یہاں کے مختلف مذاہب کے درمیان فرقہ وارانہ تصادم اور اشاعتِ مذاہب اور عقائد میں تشدد اور جبر کی مثالیں دستیاب نہیں ہوتیں۔

مسلمانوں کے ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے آنے اور آکر یہیں بس جانے سے ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا جس کے دو نازک پہلو تھے۔ ایک تو یہ کہ مسلمان بیرونی ممالک سے

وارد ہوئے تھے اور ہندوستان پر حکومت کرنے کے مقصد سے آتے تھے۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ وہ اپنے ساتھ ایک ایسا مذہب بھی لائے تھے جو مفتوح قوم کے مذاہب سے بالکل متضاد تھا۔

ابتدائی زمانے میں یہ دونوں قومیں مذہبی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کو نفرت حقارت اور مشتبہ نظر سے دیکھتی تھیں۔ ہندوؤں کا تعصب اجنبیوں کے ساتھ اور اس کے وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی نے لکھا ہے کہ پہلا سبب تو زبان کا اختلاف ہے اور دوسرا دین کے متضاد ہونے کا۔ دین کے بارے میں وہ لکھتا ہے:

"ہندو دین میں ہم سے کلی مغایرت رکھتے ہیں۔ نہ ہم کسی ایسی چیز کا اقرار کرتے ہیں جو ان کے یہاں مانی جاتی ہیں اور نہ وہ ہمارے ہاں کی کسی چیز کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مذہبی نزاع کم کرتے ہیں اور بحث و مناظرہ کے سوا جان، بدن اور مال کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن غیروں کے ساتھ ان کی یہ روش نہیں ہے۔ غیروں کو یہ لوگ ملیچھ یعنی ناپاک کہتے ہیں۔ اور ان کو ناپاک سمجھنے کی وجہ سے ان سے ملنا جلنا، شادی بیاہ کرنا، ان کے قریب جانا یا ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ساتھ کھانا جائز نہیں سمجھتے۔"

مغایرت کا پانچواں سبب اس نے ہندوؤں کی خود پسندی و خود بینی و احساس برتری کو قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں البیرونی رقمطراز ہے۔

"ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ملک ہے تو ان کا ملک، انسان ہیں تو ان کی قوم کے لوگ، بادشاہ ہیں تو ان کے بادشاہ، دین ہے تو وہی جو ان کا مذہب ہے اور علم ہے تو وہ جو ان کے پاس ہے۔"[1]

مگر یہ صورتِ حال بہت دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ بہ صورت دیگر پھر ایک ہی مذہب کے پیرو اس ملک میں رہ سکتے تھے۔ بلکہ یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ ایک قوم دوسری قوم کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ایک شخص کو جان سے مار ڈالنا آسان ہے مگر مذہبی اختلافات کی بنا پر کسی قوم کو جڑ سے ختم کرنا نا ممکن ہے

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الہند (مترجمہ سید اصغر علی)، ص ۲۳۹ - ۲۴۲

نہ ماضی میں ممکن تھا نہ اب ممکن ہے۔ ساتھ ساتھ مسلم عوام اور خصوصاً سلاطین دہلی حقیقت شناس تھے۔ وہ لوگ یہ بات بہت اچھی طرح سے جانتے تھے کہ بغیر رعایا کے حکومت کس پر کی جائے گی۔ لہٰذا انھوں نے ہندوؤں کے ساتھ نرمی اور مذہبی رواداری کا رویہ اختیار کیا اور تبلیغ اسلام کو اپنا فرضِ اوّلین نہ سمجھا۔ ان لوگوں میں تبلیغ اور اشاعت اسلام کا وہ جوش و خروش اور جذبہ بھی نہیں تھا جو خلفائے راشدین کے زمانے کے مسلمانوں میں پایا جاتا تھا۔

ابتدائی دور کے علماء نے اشاعت اسلام کو اپنا فرضِ اولین سمجھا اور اس سلسلہ میں انھوں نے سلاطین اور حکمراں طبقہ سے مدد چاہی۔ مگر سلطان شمس الدین التتمش[1] جیسے خدا رسیدہ اور رکنز منی

---

[1] شمس الدین ترکان قراخطائی کے ایک نہایت معزز قبیلہ کا فرد تھا۔ باپ کا نام یلمخان تھا۔ اس کو اس کے چچا زاد بھائیوں نے از راہ حسد و رشک ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا۔ اس سوداگر نے اس کو بخارا میں لاکر ایک دوسرے سوداگر کے ہاتھ بیچا۔ اس سوداگر نے اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت اپنے بچوں کی طرح کی۔ پھر اس کو حاجی جمال الدین چست قبا نے خریدا۔ حاجی جی موصوف سے اس کو قطب الدین ایبک نے اپنے آقا کو غوری کی اجازت لے کر ایک لاکھ جیتل (ڈیڑھ ہزار روپے) میں خرید لیا۔ پہلے اس کو میر شکار کا عہدہ دیا۔ بعدہٗ گوالیار، برن اور بدایوں کا یکے بعد دیگرے گورنر بنایا۔ آخری مرتبہ جب محمد غوری کھکر یا کھوکر قوم کا فساد رفع کرنے کے لئے ہندوستان آیا تو اس موقع پر شمس الدین نے اپنی کارگذاری سے محمد غوری کو بہت مسرور کیا۔ محمد غوری نے خلعت فاخرہ عطا کر کے قطب الدین ایبک سے اس کی سفارش کی کہ یہ جوہر قابل ہے اس کو بڑھانا چاہئے۔ چنانچہ قطب الدین ایبک نے اس کو آزاد کر کے اپنی لڑکی بیاہ دی۔ قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد وہ دہلی کا سلطان ہوا۔ ۶۳۳ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ وہ ایک صوفی منش اور خدا ترس انسان تھا۔ اس عہد میں اس کا شمار صوفیاء میں ہوتا تھا۔ التتمش کا مزار قطب مینار کے قریب موجود ہے۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ طبقات ناصری۔ ص ۱۶۷۔ بعد بعد۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ص ۱۰۰۔ ۱۲۰۔ خزینۃ الاصفیا۔ ۱/۲۷۶۔ ۲۷۸

ضخامت ۵۷۴ صفحات کتابت وطباعت بہتر۔ قیمت مجلد -/۲۰ روپے۔ پتہ ساہتیہ اکاڈمی نئی دہلی

حضرت عیسیٰؑ سے پانچ سو برس پہلے قدیم یونان کی شہری مملکتوں، ایتھنز اور اسپارٹا میں نہایت بھیانک اور خونریز لڑائیوں کا سلسلہ برسوں تک قائم رہا تھا۔ ان کی روداد یونان کے مشہور مورخ طوسی دیدس نے جو خود بھی ایتھنز کی فوج کا سپہ سالار تھا اس خوبی اور عمدگی سے قلمبند کی تھی کہ اس کی کتاب آج تک مغربی ادبیات میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور طوسی دیدس کو زمانہ کے بڑے مورخوں کا پیشوا سمجھا جاتا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے جنگوں کا صرف آنکھوں دیکھا حال ہی نہیں لکھا اور واقعات کو انتہائی غیرجانب داری کے ساتھ ہی بیان نہیں کیا ہے بلکہ ان سب واقعات سے نہایت بصیرت افروز نتائج بھی مستنبط کرتا چلا گیا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے جابجا ایسے حقائق پیش کئے ہیں۔ جو دنیا میں کسی بھی جمہوری نظام کے لئے اصول موضوعہ کا حکم رکھتے ہیں۔ اس حیثیت سے یہ کتاب صرف ایک "جنگ نامہ" نہیں بلکہ یونان کے دارالسلطنت ایتھنز کی جمہوریت اور تہذیب و تمدن کی تاریخ ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اس کا اردو قالب ہے۔ ترجمہ شستہ اور سلیس ہے لیکن شروع میں ایک مقدمہ اور آخر میں حواشی اور انگریزی الفاظ کے ساتھ فہرست اعلام وغیرہ بھی ہوتی تو کتاب زیادہ مفید ہوسکتی تھی۔

LOVE & TRUTH

پیپتے وادرک کا چورن رجسٹرڈ

جس ریاح، گیس اور ہاضمہ کے لیے مفید ہے۔ بگڑے معدہ کا فعل درست کرکے آنتوں کو طاقتور بنانے والا خوش ذائقہ چورن۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ ۲۵ پیسے۔ علاوہ محصول ڈاک۔

تیار کردہ: خواجہ پروڈکٹس رجسٹرڈ۔ رامپور۔ یوپی

دہلی میں ملنے کا پتہ: ماڈرن جام ہاؤس — جامع مسجد۔ دہلی ۶

وقتی طور پر وہ مسئلہ حل ہو گیا بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں پھر یہ سوال کبھی سامنے نہیں آیا۔ اگر سلطان اور وزیر مذہبی جذبات کی رو میں بہہ جاتے اور علماء کی باتوں پر عمل پیرا ہو جاتے تو بہت ممکن تھا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت اگر ختم نہ ہوتی تو اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اس کی بنیاد ضرور کھوکھلی ہو جاتیں اور اتنی طویل مدت تک مسلمان ہندوستان میں حکومت نہ کر سکتے تھے اور ساتھ ساتھ ہندوؤں کے دلوں میں ان کے لئے نفرت حقارت اور بغض کے جذبات ہمیشہ کے لئے پیدا ہو جاتے اس لئے وجہ سے مسلم حکمران ان کے تعاون سے محروم ہو جاتے اور تمام ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے میں ناکامیاب رہتے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد یگانگت اور برادرانہ تعلقات بڑھنے لگے۔ ڈاکٹر تاراچند نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ :

"جب فتح یابی کا پہلا طوفان تھم گیا اور ہندو اور مسلمان ایک پڑوسی کی طرح رہنے سہنے لگے تو بہت دنوں تک، ساتھ ساتھ رہنے کی وجہ سے انھوں نے ایک دوسرے کے خیالات، عادات و اطوار رسم رواج کے سمجھنے کی کوشش کی اور بہت جلد ہی ان دونوں قوموں میں اتحاد پیدا ہو گیا"[1]

دو باتوں نے ان دونوں قوموں میں اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے اور ان کے بیچ کی خلیج پر کرنے میں بہت مدد دی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام کے اس بنیادی اصول سے متاثر ہو کر کہ تمام بنی نوع انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور خالقِ مطلق کی نظر میں سب برابر اور مساوی ہیں، ہندوؤں نے ایک بڑی تعداد میں اسلام مذہب قبول کر لیا اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ویدک کال (ویدوں کے عہد) سے ہندوستانی سماج ذات پات کی بنا پر چار سماجی طبقوں میں منقسم تھا یعنی برہمن، چھتری، ویش، اور شودر شودروں کو ہر قسم کے حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔ ان کی زندگی وبال جان تھی اور صدیوں سے عاید شدہ پابندیوں سے وہ اتنے عاجز آچکے تھے کہ وہ ان پابندیوں سے خلاصی

---

[1] Influence of islam on Indian culture P.137

کے لئے بے چین تھے۔ [۱]

جنوبی ہندوستان میں ذہنی انقلاب شروع ہو چکا تھا۔ ولب چاریہ، رامانج، اور شنکر چاریہ نے ویدک دھرم کی کوتاہیوں کو محسوس کیا اور اسلام سے متاثر ہو کر ہندو مذہب میں سدھار کی کوششیں شروع کیں۔ ان کا مقصد تھا کہ ذات پات کی تفریق کے بغیر ہر شخص کو اپنی نجات کا راستہ خود تلاش کرنا چاہئے اور کسی شخص کو بھی فرقہ وارانہ تعصب کی بنا پر سماجی، سیاسی، مذہبی اور اقتصادی حقوق سے محروم نہ رکھا جائے۔

خوش قسمتی سے جب ہندوستان میں ذہنی انقلابات رونما ہو رہے تھے، اسی زمانے میں شمالی ہند میں فاتح مسلم قوم کے ساتھ ساتھ اسلام بھی اس سرزمین میں آیا۔ ہندوستانی باشندوں نے جب

---

۱ قاری محمد بشیر الدین پنڈت نے ہندو سماج کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"سماج میں برہمنوں کا درجہ سب سے اونچا سمجھا جانے لگا اور تفوق کا معیار بجائے قابلیت کے حسب نسب قرار دیا گیا۔ شادی بیاہ، کھانے پینے اور چھوت چھات کے قاعدے مہاتما بدھ کے زمانے کے مقابلے میں اور زیادہ سخت ہو گئے، ہر ذات کے لوگوں کے لئے قانون بھی الگ بنا دیئے گئے، ایک ہی جرم کی سزا اونچی ذات والوں کے لئے ہلکی اور نیچی ذات والوں کے لئے سخت تھی۔ نیچی ذات والوں کے لئے ویدوں کا پڑھنا پڑھانا ممنوع قرار دیا گیا۔ علم تحصیل کرنے کی ممانعت اور اعلیٰ طبقہ کی نفرت نے شودروں کا درجہ چوپایوں کے برابر کر دیا۔۔۔۔ نیچے طبقے کی جماعتوں کو شہروں کے اندر رہنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کے محلے شہروں سے باہر ہوتے تھے۔" تاریخ ہند۔ قرون وسطیٰ۔ ج ۲۔ (مطبوعہ ۱۹۴۲ء) ص ۱۴۷ "شودر لوگ اول الذکر تینوں برنوں کے خدمت گزار اور فرمانبردار تھے۔ شروع شروع میں ان کو اچھوت نہیں سمجھا جاتا تھا کیوں کہ اونچی ذات والوں کی طرح یہ بھی یگیہ کرنے کے مجاز تھے۔ لیکن جب سے خدمت گاری کو معیوب سمجھا جانے لگا اور یہ پیشے شودروں سے متعلق ہو کر رہ گئے تب ہی سے ان کا درجہ گر گیا اور ان کو ذلیل بھی سمجھا جانے لگا۔ شودر ہی کسان، دھوبی، جولاہے، لوہار، معمار، رنگریز، کمہار وغیرہ ہونے لگے اور زمانہ زیر بحث میں پیشوں کے اعتبار سے بے شمار ذاتیں بن گئیں" ص ۱۷۔

اسلام کے مساوات کے اصول کو عمل میں دیکھا۔ محمود اور ایاز کو ایک ہی صف میں کھڑا پایا تو وہ بے حد متاثر ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کی آمد کو باعث خیر و برکت سمجھا اور خوش آمدید کہا۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے کو سماجی اور مذہبی پابندیوں سے باعث نجات سمجھا۔ مختصر یہ کہ بلا کسی ظلم و تشدد، جبر اور لالچ کے ہندوؤں کے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو گئے اور انھوں نے مسلمانوں کو ہندوستان میں پاؤں جمانے میں بہت مدد دی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی کامیابی کے وجوہ بیان کرتے ہوئے پروفیسر حبیب نے لکھا ہے:

"رایوں (ہندو راجاؤں) نے اپنی حکومت میں ہندوستانی دستکاروں اور پیشہ وروں کو شہروں کی فصیلوں کے باہر چھوڑ رکھا تھا۔ جب ترک شہروں میں داخل ہوئے تو یہ نچلے طبقے کے پیشہ ور بھی ان کے ساتھ داخلِ شہر ہوئے اور وہ وہاں سے پھر باہر نہیں آنا چاہتے تھے"[1]

ان لوگوں کی پوری پوری مدد کی وجہ سے ترکوں نے منگول حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے چھکے چھڑا دیئے کیونکہ نومسلموں کو یہ ڈر تھا کہ اگر مسلمان ہندوستان سے واپس چلے گئے تو انھیں پھر ان مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو صدیوں سے ان پر آ رہی تھیں اور جن سے کچھ ہی دنوں پہلے انھیں نجات ملی تھی۔

دوسری بات یہ تھی کہ ہندوستان کا مذہب ایک ایسا مذہب تھا جس میں ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کی پوجا پرستش ہوتی تھی۔ عوام مذہب کے اصولوں سے نابلد تھے اور انھیں صرف مذہب کے ظاہری پہلوؤں پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ ویدک مذہب کا انسان کی روحانی زندگی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور ان کے دل و دماغ میں یہ بات کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی کہ اگر رسوم برہمن کی عدم موجودگی میں ادا کئے جائیں گے تو ان اعمال سے انھیں کوئی روحانی فائدہ نہ ہوگا اور برہمن ہی ان کی نجات کا باعث ہے۔ اس کا مقام عوام اور بھگوان کے بیچ کا ہے۔ [illegible]

---

[1] ELLIOT DOWSON, VOL. II (ALIGARH, 1952) 54-55

گوتم بدھ اور مہابیر نے ویدک مذہب کی مخالفت اور مذمت کی اور اپنا ایک نیا مذہب چلایا۔ جو ویدک دھرم کی خرافات سے مبرا تھا اور ہر فرد کو نجات حاصل کرنے کے اپنے ذرائع استعمال کرنے کی آزادی حاصل تھی۔

مسلمانوں کے مذہب میں صرف ایک خدا کی عبادت کا تصور تھا۔ ظاہری رسوم بالکل نہ تھے۔ ہر مسلمان قرآن اور سنت کے بتاتے ہوئے راستہ پر عمل کر کے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ درمیان میں کسی انسان کی اجارہ داری نہیں تھی۔ اسلام کے اس اصول میں اتنی کشش تھی کہ بلا کسی زور و ظلم کے ہزاروں لاکھوں ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں قوموں کی ابتدائی کشیدگی رفع ہو گئی اور نفرت اور حقارت محبت اور یگانگت میں بدل گئی۔

مسلم صوفیا اور ہندو سادھو سنت

ہندو اور مسلمانوں میں یگانگت اور اتحاد پیدا کرنے میں مسلم صوفیوں اور ہندو سادھوؤں نے بھی بہت کام کیا۔ ہندوستان میں فاتح قوم کی حیثیت سے مسلمانوں کے آنے سے قبل مسلم صوفیہ اس سرزمین میں آ چکے تھے۔ ان میں شیخ علی ہجویری[1] کا نام قابلِ ذکر ہے انھوں نے لاہور میں سکونت اختیار کی اور اپنے اوصاف پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ سے اس نواح کے غیر مسلموں کو بہت متاثر کیا۔[2] غلام خاندان کے دورِ حکومت میں سارے

---

[1] آپ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں بس گئے۔ ان کی پیدائش ۴۰۰ھ اور وفات ۴۶۵ھ کو ہوئی۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ آب کوثر از شیخ محمد اکرام، کراچی۔ ۱۹۵۲ء ص ۸۸-۹۱۔

[2] کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے جن میں سے ایک ہندو جو سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا۔ آپ نے اس کا نام شیخ ہندی رکھا اور اس نسل کے لوگ اب تک آپ کے مزار کے خدام و مجاور چلے آ رہے ہیں۔

شمالی ہندوستان میں چشتی صوفیائے کرام کی خانقاہیں تعمیر ہو چکی تھیں[1]۔ خواجہ معین الدین چشتی[2] نے اجمیر میں جاکر بود و باش اختیار کی اور اُن کے اثر سے لاکھوں ہندوؤں نے اسلام مذہب اختیار کیا۔

---

[1] اجمیر کے علاوہ بدایوں، قنوج، ناگور اور بہار کے بعض شہروں میں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔ ملاحظہ تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۱۴۲۔

[2] خواجہ معین الدین چشتی بمقام سجستان ۵۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تربیت خراسان میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام خواجہ غیاث الدین حسن تھا۔ شیخ ہارونی کے مرید تھے۔ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے سردار مانے جاتے ہیں۔ پرتھوی راج چوہان کے عہد میں ہندوستان آئے اور اجمیر میں سکونت اختیار کر کے تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام شروع کیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اس علاقے میں اسلام پھیلانے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کی وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔ اس ماہ میں اطراف و جوانب سے مسلمان اور ہندو، خواص و عوام دُور دراز سے گروہ در گروہ سفر کر کے عرس میں شریک ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور لاکھوں مسلمان اور ہندو ہر سال عرس میں شرکت کے لئے جاتے ہیں۔ اکبر بادشاہ آگرہ سے پیدل خواجہ صاحب کی درگاہ کی زیارت کو جایا کرتا تھا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔

معین الاولیا (از قاضی سید امام الدین خاں)، دلیل العارفین، ملفوظ، تاولیا (اُردو ترجمہ) ص ۱۲۸ - ۱۲۹، اخبار الاخیار (اُردو ترجمہ) ص ۵۰ - ۵۴۔ سیر الاقطاب - ص ۱۰۰ - ۱۰۷، ۱۲۲ - ۱۴۱۔

The Holy Biography of Hazarat Khwaja Moinud-din Chishti of Ajmer by Mirza Wahid uddin (Bombay 1960)

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی یہی لکھا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی کا ہندوستان تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا رونما ہونا تھا...... حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا نظریۂ توحید عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تخیلی چیز نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے یہ ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا[1] اس اعلان کو سن کر ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں مظلوم انسان دوبارہ زندگی کا کیف محسوس کرنے لگے اور اور لاکھوں کی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

خواجہ قطب الدین[2] بختیار کاکی نے دہلی کو اپنا مرکز بنا کر یہاں اشاعت اسلام کا

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ۔ ص ۱۴۴، ۱۴۵

[2] آپ خواجہ معین الدین چشتی کے خلیفہ تھے ۔ آپ قصبہ اوش میں پیدا ہوئے قطب الدین لقب اور بختیار نام تھا ۔ کاک افغان زبان میں روٹی کو کہتے ہیں چوں کہ عرصہ تک آپ کی جائے نماز کے نیچے سے آپ کو روزانہ منجانب اللہ روٹیاں ملا کرتی تھیں جس پہ آپ کے گھر بار کی گذر ہوتی تھی منجانب اللہ اس طریقہ پر آپ کو روٹیاں ملتی رہنے کی وجہ سے آپ کاکی (روٹیوں والے) مشہور ہو گئے ۔ آپ کی پیدائش [illegible] میں ہوئی ۔ سمرقند، غزنی، بغداد اور اجمیر ہوتے ہوئے آپ دہلی پہنچے ۔ اس وقت سلطان شمس الدین التمش ہندوستان کا بادشاہ تھا جو آپ کا ارادتمند تھا ۔ غرض کہ بہ عمر ۱۲۸ سال [illegible] ربیع الاول [illegible] مطابق [illegible] کو رحلت کی ۔ آپ کا مزار دہلی میں (مہرولی) مرجع خاص و عام ہے ۔

برائے تفصیل ملاحظہ ہو ۔ اخبار الاخیار (اردو ترجمہ) ص ۵۵ ۔ ۵۸ سفینۃ الاولیا (اردو ترجمہ) ص ۱۳۰ ۔ ۱۳۱ سیر الاقطاب ۔ ص ۱۴۲ ۔ ۱۶۱ سیر الاولیا ۔ ص ۴۸ ۔ ۵۷ ۔ فوائد السالکین ۔ ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ، مرتبہ شیخ فرید الدین گنج شکر ۔

کام شروع کیا۔ بابا فرید الدین گنج شکر[1] نے اجودھن میں سکونت اختیار کی۔ ان کی خانقاہ میں ہندو عوام اور خاص طور پر ہندو جوگی بڑی عقیدت سے حاضر ہوتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی روایت کرتے ہیں کہ شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر کی خانقاہ میں عوام حاضر ہوتے تھے[2]۔ ہندو جوگی بھی بابا فرید کی خانقاہ میں آیا کرتے تھے اور وہ لوگ اُن سے روحانی معاملات پر بحث و مناظرہ کیا کرتے تھے۔ بابا فرید کی خانقاہ میں شیخ نظام الدین اولیا کی دو موقعوں پر ہندو جوگیوں سے ملاقات ہوئی تھی[3]۔ بابا فرید ہندوؤں سے ہندوی زبان میں بات کیا کرتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کی خانقاہ میں ہندو مسلمان دونوں آیا جایا کرتے تھے[5]۔

---

[1] بابا فرید ۱۱۷۵ء میں [illegible] میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کی وفات ۱۲۶۵ء میں پاک پٹن میں ہوئی اور وہیں ان کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ The Life And Times Of Sheikh Farid uddin Ganj-i Shakar by Prof. K. A. Nizami (Aligarh)

[2] ارشاد محبوب (اردو ترجمہ فوائد الفواد) خواجہ حسن دہلوی۔ ص ۲۰

[3] فوائد الفواد (فارسی نول کشور) ص ۸۳، ۸۵، ۲۳۵

[4] سیر الاولیا / ۱۸۳-۱۸۵، بابا فرید کے ہندوؤں سے تعلقات اور ان کے اثر سے اسلام قبول کرنا۔ ملاحظہ ہو The Life and Times of Sheikh Fariduddin By Prof. K. A. Nizami (Aligarh) P.P. [illegible]

[5] شیخ نظام الدین اولیا ۱۲۳۸ء (۶۳۶ھ) میں بدایوں میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۵ء/۷۲۵ھ میں دہلی میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ بابا فرید کے خلیفہ تھے۔ آپ کی خانقاہ دہلی میں تھی اور ان کا مزار بھی آج دہلی میں نظام الدین بستی میں واقع ہے۔ آپ سے ہندو مسلمان دونوں کو بڑی عقیدت تھی اور آج بھی ہر فرقے کے تمام ہندوستان کے سبھی مذاہب کے لوگ بڑی عقیدت سے یہاں حاضر ہوتے ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔ سیر الاولیا، فوائد الفواد، افضل الفوائد (از امیر خسرو)، جامع الکلم، اخبار الاخیار، [illegible]

راجکمار ہردیو[1] کے روزنامچے میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

شیخ نظام الدین اولیاء کی مذہبی رواداری کی بہت سی مثالیں تاریخ کی کتابوں اور تذکروں میں ملتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شام شیخ اپنی خانقاہ کی چھت پر ٹہل رہے تھے۔ اسی وقت کچھ ہندو جمنا کے کنارے پوجا کرنے میں مشغول تھے۔ اُن کے ایک مرید نے شیخ کا دھیان اُدھر مبذول کرایا۔ شیخ کی زبان سے برجستہ یہ مصرعہ برآمد ہوا:

"ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے"[2]

---

[1] دکن کے مشہور مقام دیوگیر کے شاہی خاندان کا ایک فرد تھا۔ وہاں کے راجہ رام دیو کا رشتہ دار تھا۔ جب علاء الدین خلجی نے دیوگیر کو فتح کیا تو خواجہ میر حسن سجزی کے ساتھ ہردیو دہلی آیا، اور شیخ نظام الدین اولیاء کے ہاتھ سے مسلمان ہوا۔ شیخ نے اس کا نام احمد ایاز رکھا تھا۔ ولی عہدی کے زمانے میں محمد تغلق نے اسے میر عمارت کے عہدے پر مقرر کیا تھا اور جب محمد تغلق سلطان ہوا تو ہردیو کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر پہلے گجرات کا سپہ سالار بنایا اور بعد ازیں نائب وزیر کے عہدے پر فائز کیا اور پھر وزیر اعظم بنا دیا۔ جب محمد تغلق کا ٹھٹھہ میں انتقال ہوا تو خواجہ جہاں نے ملک میں امن و امان برقرار رکھنے کی غرض سے ایک لڑکے کو محمد تغلق کا بیٹا بنا کر تخت پر بٹھا دیا لیکن جب فیروز شاہ تغلق سلطان ہوا تو خواجہ جہاں نے چاہا کہ تمام امرائے سلطان سے ملاقات کی اور فیروز تغلق کی معافی چاہی۔ فیروز شاہ تغلق نے بظاہر اس کو معاف کر دیا اور وزارت کے عہدے سے برطرف کر دیا لیکن بعد میں [illegible] اس کو سامانہ بھیج دیا اور راستے میں [illegible]

[2] [illegible] ص